مطالعۂ اقوام

علامہ اقبالؒ اور افغان

میاں رسول رسا

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

اندھیری شب ہے جدا اپنے قافلے سے ہے تو

ترے لیے ہے مرا شعلۂ نوا قندیل

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved
©2002-2006

علامہ اقبال اور افغان

افغان باقی ! کہسار باقی ! الحکم للہ ! الملک للہ ! (اقبال)

علامہ اقبال افغان قوم کے مداح تھے۔ اپنے کلام میں انہوں نے افغانوں کو بار بار سراہا ہے کیونکہ اسلام کی اشاعت او حفاظت کے لیے "بندۂ صحرائی" اور "مردِ کہستانی" نے نمایاں تاریخی کارنامے سرانجام دیے ہیں ؎

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندۂ صحرائی ، یا مردِ کہستانی

علامہ اقبال تاریخ عالم میں بالعموم اور تاریخ برصغیر پاک و ہند پر بالخصوص بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔ برصغیر میں اسلام کی روشنی پہلے پہل ایک "بندۂ صحرائی" یعنی عرب جرنیل محمد بن قاسم اور اس کے ساتھیوں نے پھیلائی۔ انہوں نے سندھ کے راجہ داھر کو شکست دے کر جنوبی ایشیا میں اسلام کا علم بلند کیا۔ اسی طرح بعد کے ادوار میں افغانستان کے پہاڑوں سے محمود غزنوی بت شکن اٹھا اور اب برصغیر کے جس حصے میں، پاکستان واقع ہے، اس کو اسلام کے مقدس دین کی روشنی سے روشناس کرایا۔ محمود غزنوی اور اس کی تقلید میں متعدد افغان سلاطین نے اسلام کی تشہیر اور ابلاغ کے لیے جو ناقابل فراموش مجاہدانہ معرکے سر کیے ہیں۔ اقبال کے دل و دماغ پر ان کا گہرا اثر تھا۔ اس لیے وہ "مردِ کہستانی" یعنی افغان کو اسلام کا مردِ مجاہد سمجھتے تھے۔ چنانچہ محمود بت شکن کے متعلق علامہ فرماتے ہیں ؎

قوم اپنی جو زر و مالِ جہاں پر مرتی
بُت فروشی کے عوض بت شکنی کیوں کرتی

علامہ خود ایک نازک تاریخی دور میں پیدا ہوئے جس میں مسلمانانِ عالم انحطاط اور جمود کا شکار تھے اور جنوبی ایشیا کا مسلمان تو غلامی، درماندگی، بیچارگی اور مجبوری کی دلدل میں دھنسا ہوا تھا۔ یہ وہ منحوس زمانہ تھا جب انگریز کی شہنشاہیت عروج پر تھی اور

IqbalCyberLibrary.net
All rights reserved

برطانوی استعمار نہ صرف پورے عالم اسلام پر چھایا ہوا تھا بلکہ اسلام کے بین الاقوامی تصور کو بھی پاش پاش کرنے کی کوشش میں تھا۔ اسلام کی جگہ وطنیت اور نسلیت کا غیر اسلامی تصور عالم اسلام میں پھیلانا، انگریز کی بین الاقوامی سیاسی پالیسی کی بنیاد تھی اور اتنی کامیاب کہ مسلمانوں میں امتِ واحدہ کا عالمگیر تصور تقریباً ختم ہو چلا تھا۔ مسلمانانِ عالم اپنے آپ کو مسلمان کہلانے کے بجائے، افغانی، تورانی، ایرانی اور عرب کہلانا، نہ صرف پسند کرتے تھے بلکہ اُسے اپنا طرۂ امتیاز بھی سمجھتے تھے۔ یہ مسلمانوں کی اس قسم کی ذہنیت تھی کہ انگریزوں نے نہ صرف مسلمان ممالک کو مفتوح بنا لیا تھا بلکہ ان کے رہنے والوں کی ذہنیت اور اجتماعی تحت الشعور پر بھی وہ حکومت کر رہے تھے۔ حد یہ کہ جو خیالات اور تصورات، افکار، علوم اور طرزِ بود و باش ان کی شاہنشاہیت اور سامراج کے لیے تقویت کا باعث تھے۔ وہی مسلمانوں میں بھی مقبولیت کا درجہ حاصل کر رہے تھے۔ چنانچہ مسلمان نقلی انگریز بننے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ ان کا اسلام محض چند رسومات تک محدود رہ گیا تھا۔ علامہ فرماتے ہیں ؎

رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالی نہ رہی

جان گنتھر نے انگریز کی اس پالیسی کو اپنی کتاب ان سائیڈ ایشیا "INSIDE ASIA" میں فقط ایک فقرے میں یوں بیان کیا ہے کہ "انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں، دنیا کے اندر سب سے زیادہ قوی اور مضبوط سلطنت انگریزی ایمپائر تھی"۔ یعنی عالم اسلام میں انگریز جو کچھ چاہتا تھا وہی ہو رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انیسویں صدی کا آخری اور بیسویں صدی کا ابتدائی ربع مسلمانانِ عالم کے لیے تاریخ کا بدترین دور تھا اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کہ ملتِ اسلامیہ دم توڑ رہی ہے، اور مسلمانانِ عالم کے ساتھ اسلام کا سورج بھی خدانخواستہ غروب ہو رہا ہے۔ یہ ایک ایسا المیہ تھا کہ اقبال کے حساس دل و دماغ نے اس کو شدت سے محسوس کیا۔ وہ سید جمال الدین افغانی کی تقلید میں، مسلمانانِ عالم کے اتحاد و اتفاق اور اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے لیے کوشاں تھے۔ چنانچہ مسلمانوں پر جو ناامیدی اور قنوطیت چھائی ہوئی تھی اس کا علاج وہ اپنی حیات بخش اور امید افزا شاعری کے توسط سے کرتے تھے۔ دوسری طرف برصغیر میں اقبال کی زندگی میں جو حالات رونما ہوئے، وہ بھی نہایت مایوس کن تھے۔ برصغیر کا مسلمان انگریزی شاہنشاہیت اور ہندو قومیت کی جارحیت کے دوگونہ عذاب میں مبتلا تھا۔ اور بظاہر ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ مسلمان انگریز کے رخصت ہونے کے بعد ہندو اکثریت کا غلام بن جائے گا۔ اس تاریخی عمل کا ایک طویل پس منظر تھا۔ جس کا علامہ نے بطور مطالعہ کیا تھا وہ سمجھتے تھے کہ مسلمان فاتحین کئی صدیوں کی پیہم کشمکش اور جدوجہد کے باوجود جنوبی ایشیا میں ہندو ازم یا ہندو کے تعصب کا مکمل طور پر سدباب نہ کر سکے۔ ہندو برہمن اسلامی تعلیمات کا سختی سے مقابلہ کر رہا تھا۔ اس کے برعکس دوسرے ملکوں میں جہاں مسلمان فاتحین گئے تھے، وہاں کے مقامی باشندے نہ صرف بالآخر پورے طور پر مغلوب ہوئے بلکہ کچھ مدت کے بعد خود بخود مشرف بہ اسلام بھی ہو گئے۔

لیکن بدقسمتی سے تاریخی عمل سپین کی طرح برصغیر میں بھی کامیاب نہ ہو سکا۔ اور اس کا سبب شاید یہ بھی تھا کہ برصغیر

درحقیقت ایک ملک کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک طرح کا براعظم ہے اور اس براعظم میں ہندو آریائی کلچر کی جڑیں نہایت گہری اور مضبوط ہیں۔ اس لیے برصغیر پر جتنی تاریخی قوموں نے مختلف ادوار میں حملے کیے ہیں وہ عارضی طور پر تو ضرور فتح یاب ہوئے لیکن بالآخر ہندوؤں نے انہیں بھی ہندوازم کا ایک جزو بنا دیا۔ اور جن بیرونی فاتح اقوام نے ہندوازم کو قبول نہیں کیا، وہ ہندوؤں کے ہاتھوں پامال ہونے سے نہ بچ سکیں۔ چنانچہ ان کا نام و نشان تک اب برصغیر میں باقی نہیں رہا۔ اسی طرح جس مذہب کے ماننے والوں نے ہندوازم میں جذب ہونے سے انکار کیا اور اپنے عقائد پر قائم رہے۔ ہندوؤں نے اس مذہب کو بھی ہندوستان سے باہر نکال کے چھوڑا اور یا پھر اسے بُری طرح کچل دیا۔ مثال کے طور پر بدھ مت کو دیکھ لیجیے۔ اب برصغیر میں تقریباً مفقود ہو چکا ہے۔

برصغیر میں اسلام اور ہندوازم کا مقابلہ ایک نہایت دلچسپ تاریخی مطالعہ ہے۔ تاریخ سے یہ بات آسانی سے سمجھ میں آ جاتی ہے کہ یہ دو متضاد ثقافتیں اور تہذیبیں جب برصغیر میں، نبرد آزما ہوئیں، تو یہ ایک بے جوڑ لڑائی تھی۔ جیسے ببر شیر اور اژدہے کی لڑائی۔ اسلام کو آپ شیر ببر فرض کریں اور ہندومت کو اژدھا جو کسی امتیاز کے بغیر ہر شے کو نگل جاتا ہے اور اسے اپنا جزو بنا لیتا ہے۔ مغل شہنشاہ اکبر نے بعض سیاسی اغراض پوری کرنے کے لیے ریاستِ باہی کے اصول پر ان دونوں کی صلح کرانی چاہی۔

اقبال نے اکبر کی اس پالیسی کو الحاد کہا ہے۔ "رموزِ بیخودی" میں فرماتے ہیں ؎

تخم الحادے کہ اکبر پرورید
باز اندر فطرتِ دارا دمید

حقیقت یہ ہے کہ مسلمان جب توحید کے معاملے میں مصلحت سے کام لے کر الحاد سے سمجھوتہ کر لیتا ہے یعنی دین کے بنیادی اصول کو فراموش کر دیتا ہے، تو مسلمان نہیں رہتا۔ مسلمان کی خودی یا اسلامی تشخص توحید سے قائم ہے۔ اور اسلامی معاشرہ رسالت سے قائم و دائم ہے۔ گویا کلمہ طیبہ اسلام کی جان ہے۔ اس سے منحرف ہونا گویا اسلام کو ختم کر دینا ہے۔ غرض یہ کہ اکبر کے زیست باہمی کا دین نہ چل سکا کیونکہ اس کا دینِ الٰہی الحاد کا دوسرا نام تھا۔ اس کی موت کے بعد جہانگیر تخت نشین ہوا وہ بھی ابتدائی دور میں باپ کے نقشِ قدم پر چلا۔ لیکن بعد میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے زیرِ اثر اکبر اپنے طور میں ترمیم کر لی۔ جہانگیر کے بیٹے شاہ جہاں کو کوئی مذہب سے کچھ نہ کچھ لگاؤ ضرور تھا۔ لیکن اس کے بیٹے اورنگ زیب عالمگیر نے بالکل ہی اپنے پردادا کی مذہبی اور سیاسی پالیسیوں سے بغاوت کر ڈالی۔ وہ راسخ العقیدہ مسلمان تھا۔ اس کے عہد میں اسلام کا ببر شیر ایک دفعہ پھر ہندوازم کے اژدہا کو برصغیر میں جھنجھوڑنے لگا اس لیے اقبال نے اورنگ زیب عالمگیر کو "خدنگِ آخرین" کہا ہے ؎

درمیانِ کارزارِ کفر و دیں
ترکش ما را خدنگِ آخریں

لیکن ہندوازم نے اورنگ زیب کو بھی کامیاب نہ ہونے دیا۔

مسلمان کے ساتھ بھی وہی کھیل کھیلا جو اور فاتحین کے ساتھ کھیلتا رہا تھا یہ اور بات ہے کہ مسلمان ان سے مختلف نکلے اور پوری طرح خارج الملک نہ کیے جاسکے۔

اورنگ زیب عالمگیر کے بعد سلطنت مغلیہ کمزور ہو جاتی ہے اور ہندوازم ایک بار پھر ابھرتا ہے۔ برہمن اژدھا ایک بار پھر مسلمانانِ ہند کو ہڑپ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اب کے مرہٹے سامنے آتے ہیں اور دہلی کا مغل بادشاہ ان کے رحم و کرم پر ہے۔ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ اس خطرے کو بھانپ لیتے ہیں اور احمد شاہ ابدالی کو دعوت دیتے ہیں کہ برصغیر پر حملہ کر کے مسلمانوں کو مرہٹوں کے جبر اور ظلم سے نجات دلائے۔ احمد شاہ ابدالی اسلام کا وہ آخری ببر شیر ہے جس نے تن من دھن کی بازی لگا کر برصغیر میں ہندوازم کے ابھرتے ہوئے اژدھا کو پانی پت کی تیسری جنگ میں کچل دیا۔ ہندو مرہٹوں کو اپنی تاریخ کا بدترین المیہ دیکھنا پڑا وہ شکست فاش کھا کر پسپا ہو گئے۔ لیکن ہندو اژدھا پھر بھی زندہ رہا صرف ناسازگار حالات کی وجہ سے کچھ مدت کے لیے ایک بار دب گیا۔ اگر احمد شاہ ابدالی مرہٹوں کو شکست دینے کے بعد دہلی کے تخت کو خود سنبھال لیتا، تو شاید تاریخ کا دھارا مڑ جاتا۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ مرہٹوں کو شکست دے کر افغانستان واپس چلا گیا اور ہندوستان کی حکومت کمزور اور عیش پرست مغل بادشاہ کے حوالے کر دی۔ پانی پت کی تیسری جنگ کا فاتح یہ عارف افغان بادشاہ بھی اقبال کا ہیرو تھا۔ مثنوی مسافر میں اقبال نے ابدالی کے عارفانہ اور مجاہدانہ کارناموں کو یوں سراہا ہے ؎

تُربتِ آں خسروِ روشن ضمیر
از ضمیرش ملتے صورت پذیر
نسلِ فاتح آں امیرِ صف شکن،
سکہ زد ہم باقلیم سخن
از دل و دستِ گہر ریزے، کہ داشت
سلطنت با بُرد و بے پروا گذاشت

بدقسمتی سے پانی پت کی تیسری جنگ سے مسلمانانِ ہند کما حقہٗ فائدہ نہ اٹھا سکے، اُن کے بجائے انگریزوں نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ اور رفتہ رفتہ اپنی چالبازیوں اور مکر و فریب کے طفیل، تمام ہندوستان پر چھا گئے۔ برصغیر ان کے تسلط میں آگیا۔ لیکن اس جنگ کی برکت سے اتنا ضرور ہوا کہ مسلمانانِ ہند مرہٹوں کے ہاتھوں قتل عام سے بچ گئے۔ اگر ابدالی اس نازک موقع پر ان کی مدد کے لیے نہ پہنچتا تو ہند میں یقیناً مسلمانوں کا خاتمہ ہو جاتا۔ اور پاکستان کے تاریخی عمل کا ظہور میں آنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔

یہاں بر سبیل تذکرہ میں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ احمد شاہ ابدالی نے پانی پت کی تیسری جنگ میں جن جنگی چالوں سے

کام لیا تھا۔ ولنگٹن نے واٹرلو کے میدان میں انہی سے کام لے کر نپولین کو شکست دی تھی۔ ابدالی فن سپاہ گری میں واقعی جینئس تھا۔ اور قرن اول کے عظیم اسلامی جرنیل خالد بن ولید کی طرح قوت ایمان کے ساتھ ساتھ جنگی فنون میں بھی نابغۂ روزگار تھا۔ اپنی تمام جنگوں میں اس کا یہ قاعدہ رہا کہ اپنی فوج کے قلب کو عمداً کمزور رکھتا اور دشمن کو یہ تاثر دیتا کہ اُس کے پاس لے دے کے اتنی ہی عسکری قوت ہے لیکن جب اس کا فرنٹل اٹیک ناکامیاب ہونے لگتا، تو دائیں بائیں سے چھپے ہوئے افغان شہسواروں کا مضبوط رسالہ اچانک حملہ کر دیتا، اس فوج کی کمان وہ خود کرتا تھا۔ بادشاہ کی یہ ذاتی افغان کیولری چوبیس ۲۴ ہزار شہسواروں پر مشتمل ہوتی تھی جس کے زبردست حملوں نے بارہا دشمنوں کے چھکے چھڑا کر رکھ دیئے۔ اسی حکمت عملی سے پانی پت کی تیسری جنگ میں انہوں نے کام لیا اور مرہٹوں کے عظیم لشکر کو شکست فاش دے دی۔

حکیم الامت علامہ اقبال نے جو فارمولا آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ الٰہ آباد میں ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء کو اپنے خطبہ صدارت میں پیش کیا تھا، وہ کوئی وقتی یا اتفاقی بات نہیں تھی۔ بلکہ اس کا اپنا ہزار سالہ طویل پس منظر تھا جس کی بنیاد سخت جان برہمن کے روایتی ذہنیت کے گہرے مطالعے پر تھی۔

اقبال کا خیال تھا کہ انگریز کے رخصت ہونے کے بعد مسلمانانِ ہند کو ہندوستان میں اپنا آزاد اور خودمختار ملک بنانا چاہیے کیونکہ اگر ایسا نہ ہوا تو برہمن مسلمان کے ساتھ آزادی کے بعد وہی سلوک کرے گا جو اس نے مسلمانوں کے برصغیر میں آنے سے پہلے مختلف اقوام کے ساتھ کیا تھا۔ اس لیے علامہ اس پر مُصر تھے۔ اور اگر برصغیر کے سب مسلمانوں کو ہندو ازم کے خون خوار اژدھا سے بچانا ممکن نہ ہو تو کم از کم اتنا تو کیا جائے کہ برصغیر کے اُن علاقوں میں جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں، ان کو ہندوؤں کے تسلط اور غلامی سے بچایا جائے۔ گویا پاکستان کا وجود اس تاریخی عمل کا ایک لازمی نتیجہ تھا جو ایک ہزار برس میں برصغیر میں ہندو ازم اور اسلام کے تصادم سے پیدا ہوا تھا اور چونکہ اس طویل عرصے میں مسلمان فاتحین نے برصغیر کی محکوم ہندو اکثریت کو بزور مسلمان نہیں بنایا تھا جس کے باعث برہمن عفریت زندہ بچ رہا تھا۔ اس لیے جب ہندو ازم نے انگریزوں کی سرپرستی کے سبب ہزار سال کے بعد اپنے تمام تر تعصبات اور انقلابی قوت کے ساتھ دوبارہ سر اٹھایا تو مصلحت اسی میں تھی کہ مسلمانانِ ہند برصغیر کا جو حصہ ہندو ازم کے غلامی سے بچا سکتے تھے بچا لیں۔ ظاہر ہے کہ اگر پاکستان نہ بنتا تو برصغیر میں مسلمانانِ ہند کا وہی حشر ہوتا جو سپین میں مسلمانوں کا ہوا تھا۔ یعنی خدانخواستہ مسلمانانِ ہند مکمل طور پر تباہ ہو جاتے۔

پاکستان، دراصل اقبال کی سیاسی بصیرت کا تحفہ ہے لیکن یہ محض شاعر کا تصور یا قلندر کا الہامی خواب بھی نہیں اس کے پس پردہ ایک ہزار سال کی تاریخی کشمکش اور جدوجہد میدان عمل میں تھی اور یہ اقبال کے نورِ فراست، اور صائب سیاسی بصیرت کی برکت تھی جو برصغیر کے مسلمانوں کے عین وقت کام آئی۔ چنانچہ آج ہم ایک آزاد اور خودمختار اسلامی سلطنت کے مالک ہیں۔

بہرکیف، علامہ اقبال نے اس عظیم الشان تاریخی کشمکش میں، جسے ہم نے اختصار کے ساتھ بھی بیان کیا افغان کے کلیدی کردار

کو سمجھ لیا تھا اس لیے وہ افغان کو اسلام کا مردِ مجاہد سمجھتے تھے اور فطری طور پر بھی علامہ افغان مزاج پیدا ہوئے تھے۔ افغان مشاہیر سلاطین اور شعرا کے افکار اور کارناموں میں علامہ اقبال کو اپنی ہی تصویر نظر آتی ہے گویا اس نابغۂ روزگار برہمن زادۂ کشمیر کے سینے میں افغانی دل دھڑک رہا تھا، بلکہ "ضربِ کلیم" میں محراب گل افغان کے افکار کے عنوان سے انہوں نے جو اشعار لکھے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ کبھی کبھی خود بھی ان کو یہ احساس ہوتا تھا، کہ شاید ان کی روح افغان سرزمین کی پیداوار ہے جیسے کہ افغان سرزمین کی توصیف میں فرماتے ہیں ؎

سرزمینے کبک او شاہیں مزاج
آہوئے او گیرد از شیران خراج
در فضایش جرہ بازاں تیز چنگ
لرزہ بر تن از نہیب شان پلنگ!

محراب گل افغان کے اشعار میں خوشحال خاں اور احمد شاہ ابدالی کی شاعری کی طرح وہی سنگلاخ پہاڑوں سے محبت، وہی جوش و ولولہ، وہی فقرِ غیور کا تذکرہ، وہی وسعتِ مشرب، وہی گلیم پوشی پر ناز اور کہسار کی خلوت میں تعلیم خود آگاہی کے ترانے سنائی دیتے ہیں۔

خوشحال خان خٹک کو اقبال شاعرِ افغان شناس کہتے ہیں۔ انہوں نے خوشحال خان خٹک پر ایک انگریزی سہ ماہی رسالے اسلامک کلچر حیدرآباد دکن میں ایک مضمون بھی لکھا تھا جس کا عنوان تھا ؎

اس کے علاوہ مشہور مستشرق میجر راورٹی کے کیے ہوئے خوشحال خاں خٹک کی سو نظموں کے تراجم کے مطالعے سے بھی، علامہ اتنے زیادہ متاثر ہوئے کہ انہوں نے ان کے اشعار کا انتخاب اسلامک کلچر میں چھپوایا۔ ان نظموں کے ساتھ علامہ اقبال نے خوشحال خاں پر ایک نہایت جامع اور بصیرت افروز نوٹ بھی لکھا تھا۔ خود اپنے کلام میں بھی علامہ نے خوشحال خاں کی یوں ستائش کی ہے:

خوش سرود، آن شاعرِ افغان شناس
آنکہ بیند باز گوید بے ہراس
آن حکیمِ ملتِ افغانیاں!
آں طبیبِ علتِ افغانیاں
رازِ قومے دید و بے باکانہ گفت
حرفِ حق با شوخیٔ رندانہ گفت

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خوشحال خاں کی سو نظموں کا انگریزی ترجمہ پڑھ کر اقبال نے اس آزاد منش افغانی شاعر کی شاعری کی روح

کو اپنے اندر جذب کر لیا تھا۔ انہوں نے عزم و ہمت، غیرت و عزت نفس، رفعت و بلند پروازی اور اعلیٰ صفات و بلند کرداری کی تعلیم دیتے وقت جو علامات و تشبیہات استعمال کیے ہیں، ان میں انہوں نے خوشحال خان کی طرح باز، عقاب، شاہین اور شیر کے الفاظ بکثرت استعمال کیے ہیں جن سے یہ حقیقت مترشح ہوتی ہے کہ اقبال اور خوشحال دونوں کا سرچشمہ فکر اور منبع فیض ایک ہے دونوں میں اسلام کی حقیقی تعلیمات اور مشرق کے صحت مند پیغام کا حسین امتزاج ہے۔ دونوں زیادہ تر ان اخلاقی، مذہبی اور ملی حقائق کو پیش نظر رکھتے ہیں جن کا تعلق افراد اور اقوام کی باطنی تربیت سے ہے۔ دونوں محض ادیب اور شاعر نہیں تھے بلکہ ایک صحت مند پیغام دینے کے لیے پیدا ہوئے تھے اور اس لیے دونوں اپنے وقت کے رہنما، معلم اور داعیان انقلاب و اصلاح تھے

خوشحال خان خٹک کے علاوہ علامہ کے بعض فلسفیانہ اور متصوفانہ افکار احمد شاہ ابدالی کے خیالات سے بھی ملتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ علامہ نے احمد شاہ ابدالی کی ان چند نظموں کا بھی مطالعہ کیا تھا، جس کا ترجمہ میجر راورٹی نے انگریزی زبان میں کیا تھا۔ یا یہ محض ایک عجیب حسن اتفاق اور توارد ہے کہ "عصر" اور "دھر" کے بارے میں دونوں کے افکار میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ برگسان نے زمان خالص کا جو تصور رومی، کی مثنوی کے مطالعے کے بعد پیش کیا ہے اور علامہ اس سے بے حد متاثر ہوئے ہیں، وہ احمد شاہ ابدالی نے اپنی نظموں میں برگساں سے بہت پہلے پیش کیا تھا۔ ابدالی فرماتے ہیں:

"جب تک تم اپنے آپ کو بندۂ دھر نہیں بناؤ گے، جاودان زندگی کے راز کو نہیں پا سکتے۔ اگر تم دہر کے راز کو سمجھ لو، تو تم پر زندگی کا راز آشکارا ہو جائے گا۔ اے میرے دوست، اگر تم عالم ناسوت کے قید خانے سے نکلنا چاہتے ہو تو عین الیقین کے ساتھ اس بات کو سمجھ لو کہ دھر کی حقیقت کیا ہے اور دھر اور عصر میں کیا فرق ہے۔ احمد کی روح زمان خالص سے جدا ہوئی ہے اور ایک بار پھر مستقل زمانے یعنی زمان مطلق کی طرف لوٹ جائے گی۔" ایک اور جگہ فرماتے ہیں: "تسلسل زمانہ یعنی یہ روز و شب، دھر کی دختر ہیں۔ جس زمانے میں تم آج رہ رہے ہو، یہ عارضی زمانہ ہے۔ کل یہ عارضی زمانہ مستقل زمانے میں داخل ہو جائے گا۔ اس مستقل زمانے کا نام دہر ہے۔ جب تک انسان زندہ ہے، یہ عارضی زمانہ اس کا ساتھ دیتا ہے اور جب انسان مر جاتا ہے تو یہ عارضی زمانہ بھی اس کے ساتھ فنا ہو جاتا ہے۔ پھر اس کا نام و نشان تک نہیں رہتا۔ یہ عارضی زمانہ ہمارے وجود کے ساتھ منسلک ہے۔ جب ہم نہیں رہیں گے تو یہ بھی نہیں رہے گا۔ صرف دہر حقیقی زمانہ یا زمان خالص ہے۔ دہر کو فنا نہیں۔" زمان کے بارے میں اقبال فرماتے ہیں:

وقت را مثل مکاں گسترده
امتیاز دوش و فردا کرده
وقت ماکو، اول و آخر ندید
از خیابان ضمیر ما دمید

اقبال کے خیال میں بھی دہر زندگی کا دوسرا نام ہے:

زندگی از دهر و دهر از زندگی است
لا تسبوا الدهر فرمانِ نبیؐ است

احمد شاہ ابدالی کے علاوہ، اقبال اور افغان سلاطین کے بھی دلدادہ تھے۔ پیام مشرق کو اعلیحضرت امیر امان اللہ خان فرمانروائے دولت مستقلہ افغانستان کے نام نامی سے منسوب کیا اور ان کو اپنے مخصوص انداز میں اس طرح مخاطب کیا ہے ؎

اے امیر ابن امیر ، ابن امیر
ہدیۂ از بے نوائے ہم پذیر
سوز صدیقؓ و علیؓ از حق طلب
ذرۂ عشق نبیؐ از حق طلب
زانکہ ملت را حیات از عشق اوست
برگ و ساز کائنات از عشق اوست
خیز و اندر گردش آور جام عشق
در قہستان تازہ کن پیغام عشق

"مثنوی مسافر" علامہ اقبال نے افغانستان کے سفر کی یادگار کے طور پر لکھی ہے اور اس مثنوی میں علامہ نے افغانستان کی سرزمین، وہاں کے شہروں، افغان سلاطین مشاہیر، حکما اور علما کو گلہائے عقیدت پیش کیے ہیں۔ مثلاً اعلیٰحضرت نادر شاہ شہید کے بارے میں فرماتے ہیں:

نادر افغاں شہ درویش خو
رحمت حق بر روانِ پاک او
کارِ ملت محکم از تدبیر او
حافظ دین مبین شمشیر او
چون ابوذرؓ خود گداز اندر نماز
ضربتش ہنگام کیں خارا گداز
عہد صدیقؓ از جمالش تازہ شد
عہد فاروقؓ از جلالش تازہ شد

افغانستان جاتے ہوئے معروف درۂ خیبر سے گذرنا پڑتا ہے۔ علامہ بھی خیبر سے متاثر ہوئے ہیں اور فرماتے ہیں ؎

خیبر از مردانِ حق بیگانہ نیست در دلِ او صد ہزار افسانہ ایست

شہر کابل کو علامہ خطۂ جنت نظیر کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور شہر کابل کی توصیف میں یوں فرمایا ہے:

ہزار مرتبہ کابل نکوتر از دلی است
کہ آں عجوزہ عروسِ ہزار داماد است

اور شہر غزنی کو اس دلکش انداز میں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں ؎

آہ! غزنی آں حریم علم و فن
مرغزارِ شیر مردانِ کہن!
دولتِ محمود را تزیبا عروس
از حنا بندانِ او دانائے طوس
خفتہ در خاکش حکیم غزنوی
از نوائے او دلِ مردان قوی

اور حکیم سنائی غزنوی کے مزارِ مقدس کی زیارت کے بعد اس روزِ سعید کی یادگار میں علامہ نے جو اشعار سپردِ قلم کیے ہیں ان میں یہ چند اشعار تو اب زبان زدِ عام و خاص ہیں ؎

وہ دانائے سُبل ختم الرسلؐ مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغ وادیٔ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ

سلطان محمود بُت شکن کے مزار پر علامہ خون کے آنسو بہاتے ہیں ؎

خیزد از دل نالۂ بے اختیار
آہ! آں شہرے کہ اینجا بود و پار
آں دیار و کاخ و کو، ویرانہ ایست
آں شکوہ و فال و فر افسانہ ایست
گنبدے! در طوف اُو چرخِ بریں
تربتِ سلطان محمود است این

سید جمال الدین افغانی کے بارے میں، جن سے انہیں ایک خاص عقیدت تھی، علامہ فرماتے ہیں ؎

سید السادات مولانا جمال
زندہ از گفتارِ او سنگ و سفال

سید جمال الدین افغانی نے تمام اسلامی دنیا میں اسلامی انقلاب برپا کرنے کو اپنا نصب العین بنایا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ہر اسلامی ملک میں کافی وقت صرف کیا اور جہاں بھی گئے ملوکیت کے خلاف نفرت اور جمہوریتِ اسلامی کا تصور اور احیائے ملت کے آثار چھوڑ گئے۔

موجودہ دنیا کے اسلام میں آج کل جو کچھ آزادی اور زندگی کے آثار پائے جاتے ہیں وہ زیادہ تر افغانی کی مساعی کا نتیجہ ہیں۔ جاوید نامہ میں اقبال علامہ افغانی کو اس شاندار طریقے سے متعارف کراتے ہیں ؎

رفتم و دیدم دو مرد اندر قیام
مقتدی تاتار و افغانی امام

علامہ اقبال کو افغان عوام سے بھی بیحد محبت تھی۔ انہوں نے ان کی بے علمی اور ناخواندگی کو اپنے مخصوص انداز میں اس طرح سراہا ہے ؎

تیری بے علمی نے رکھ لی، بے علموں کی لاج
عالم فاضل بیچ رہے ہیں اپنا دین ایمان
اپنی خودی پہچان او غافل افغان!

اپنے ملک کے ملا کے کردار سے تو علامہ بیزار تھے، لیکن افغانی ملا کی غیرت دین کے معترف تھے جس کا اظہار ابلیس کی زبان سے یوں فرمایا ہے ؎

افغانیوں کی غیرتِ دیں کا ہے یہ علاج
ملا کو ان کے کوہ و دمن سے نکال دو

علامہ افغانی کردار کے اس لیے بھی مداح تھے کہ انگریزی سامراج نے اگر ایک طرف برصغیر کو مکمل طور پر مطیع کیا تھا جس کے باعث ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد کسی میں یہ ہمت نہیں تھی کہ وہ انگریزوں سے نبرد آزما ہو، تو دوسری طرف برصغیر کی شمال مغربی سرحدوں پر افغان قبائل ایسے حریت پسند مجاہد تھے کہ ڈیڑھ سو برس میں بھی انگریزی شاہنشاہیت ان کو رعیت بنانے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ وہ آزاد تھے اور آزاد رہے، تا آنکہ پاکستان بن گیا۔

اس کے علاوہ انگریزوں نے تین جنگیں افغانستان کے افغانوں کے خلاف بھی لڑی تھیں اور تینوں ہی جنگوں میں انگریزوں کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ اور دوسری افغان جنگ میں سردار ایوب خان کے ہاتھوں میوند کے قریب انگریزی فوج نے جو شکست کھائی تھی، خود انگریز مورخین لکھتے ہیں کہ مشرق میں انگریزی سامراج کی یہ پہلی شکست تھی۔ تیسری افغان جنگ میں

اعلیٰحضرت غازی امان اللہ خان نے کلی طور پر افغانستان کو انگریزوں کی باجگزاری سے نجات دلوادی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اعلیٰحضرت امان اللہ خان غازی کے نام نامی سے علامہ اقبال نے پیام مشرق کو منسوب کیا ہے۔ علامہ ان کو اسلام کا ایک جانباز ہیرو سمجھتے تھے

علامہ اقبال نے پیام مشرق کے دیباچے میں اسلامی مشرق کے سیاسی حالات کا جو جائزہ پیش کیا ہے اس میں اختصار کے ساتھ تقدیر امم کے عروج و زوال کے رازہائے سربستہ بھی بیان کیے ہیں اس دیباچے کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ یورپ کی پہلی جنگ عظیم کے بعد مشرق نے بالعموم اور اسلامی مشرق نے بالخصوص صدیوں کی مسلسل نیند کے بعد، بیداری کی ایک معمولی سی انگڑائی لی تھی لیکن دوسری جنگ عظیم کے بعد اسلامی مشرق میں خصوصیت کے ساتھ نئی زندگی کی ایک لہر دوڑ گئی اور اسلامی مشرق نے ایک طویل مدت کے بعد نیند سے آنکھ کھولی۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو اسلامی مشرق اور نہ غیر اسلامی مشرق نے اس بیداری سے کما حقہٗ فائدہ اٹھایا۔ انہوں نے اس بیداری کو تاریخی عمل کا ایک فطری تسلسل سمجھ رکھا ہے نہ کہ ایک طویل جدوجہد کا نتیجہ۔ جبکہ اصلی حقیقت بقول علامہ جہد ہے کسی طرح کا استحقاق نہیں ہے

زندگی جہد است ، استحقاق نیست

مقام افسوس ہے کہ صدیوں کی غلامی کی وجہ سے، مشرق، اور بالخصوص اسلامی مشرق کے قدامت پسند مدبرین، اس حیرت انگیز، عالمگیر انقلاب کا صحیح اندازہ نہ لگا سکے جو آج کی دنیا میں شدت کے ساتھ محسوس کیا جارہا ہے۔ یعنی وہ اس حقیقت کو نہیں سمجھ سکے کہ یہ انقلاب صرف مشرق تک محدود نہیں، بلکہ یہ نوعِ انسانی کے اجتماعی تحت الشعور میں برپا ہورہا ہے جس میں مشرق اور مغرب دونوں شامل ہیں۔ بالفاظِ دیگر یہ نوعِ انسانی کے اجتماعی باطنی ضمیر کی آواز ہے۔

اسلامی ممالک کو خصوصیت کے ساتھ معلوم ہونا چاہیئے کہ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ اس وقت تک پائیدار بنیادوں پر استوار نہیں ہوسکتی، جب تک اس کی روح مسلمانوں کے اجتماعی ضمیر میں اسلامی اقدار اپنانے سے متشکل نہ ہو۔ یہی فطرت کا اٹل قانون ہے اور یہی تعلیم قرآن پاک میں ہمیں واضح طور پہ دی گئی ہے۔

علامہ اقبال کے نزدیک آج کی ناسازگار دنیا میں فطرت کے مقاصد کی نگہبانی کرنے والی دو قومیں ہیں یعنی عرب اور افغان۔ عرب کو علامہ بندۂ صحرائی اور افغان کو مردِ کہستانی کہتے ہیں۔ ایک طرف بندۂ صحرائی، جس کے متعلق علامہ فرماتے ہیں

اے در دوشت تو باقی تا ابد

نعرۂ لا قیصر و کسریٰ کہ زد

عالمی صیہونیت اور اس کے حامیوں کے خلاف فلسطین میں برسرِ پیکار ہے اور یہ وہ صیہونیت ہے جس کے بارے میں علامہ کی رائے ہے ہے

تاک میں بیٹھے ہیں مدت سے یہودی سود خوار

جس کی روباہی کے آگے ہیچ ہے زورِ پلنگ

تو دوسری طرف "مردِ کہستانی" افغانستان کی سنگلاخ سرزمین میں، جو زمانۂ قدیم سے انقلابات اور تاریخی معرکوں کی جولانگاہ رہا ہے اور تاریخ ساز قوموں کے لیے اپنے جغرافیائی محل وقوع کی بدولت، برصغیر پاک و ہند کا دروازہ ہے، اشتراکیت کے دیو کے خلاف سینہ سپر ہے۔ وہ اشتراکیت جو علامہ کے خیال میں مقام "لا" میں گرفتار ہے۔

کردہ ام اندر مقاماتش نگہ
لا سلاطین، لا کلیسا، لا اِلٰہ

گویا عالمِ اسلام آج پھر آگ اور خون کے دریا سے گذر رہا ہے اور ہر طرف طاغوتی طاقتیں مسلمانوں کو گھیرے میں لیے ہوئے ہیں۔

آگ ہے، اولادِ ابراہیمؑ ہے، نمرود ہے

اور ان لوگوں کو ہمارا امتحان ہی نہیں مقصود، بلکہ خدانخواستہ ہماری تباہی کے بھی درپے ہیں۔ لیکن اسلام سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ملت اسلامیہ آگ اور خون سے کھیلنے کی عادی ہے۔ یہ اس کے لیے کوئی نئی چیز نہیں۔

سرِ خاکِ شہیدے برگ ہائے لالہ می پاشم
کہ خونش با نہالِ ملتِ ما سازگار آمد

چنانچہ علامہ نے ایسے ہی ناسازگار حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے مسلمانانِ عالم کو یہ تعلیم دی۔

بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی، نہ افغانی

اور ساتھ ہی یہ درس بھی دے رہے ہیں۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بہ خاکِ کاشغر

مسلمانانِ عالم بارہا اپنی طویل تاریخ میں ایسے مصائب کی طوفانی لہروں میں ڈوب کر پھر ابھرے ہیں۔ انشاء اللہ اب کے بھی اس امتحان میں پورے اتریں گے۔ لیکن بایں ہمہ آج کی بدلتی ہوئی خون آشام انقلابی دنیا میں رزم و بزم کے طور طریقوں کا انداز کچھ ایسا بدل گیا ہے کہ دنیا کی دو عظیم طاقتیں اگر آپس میں ایٹمی ہتھیاروں سے لڑ پڑیں، تو ایک اندازے کے بعد ایک ملین یعنی دس لاکھ ہائیڈروجن بموں کے دھماکوں سے دنیا و مافیہا کا چشم زدن میں خاتمہ ہو جائے گا اور تین ٹی، این، ٹی کا دوزخ دنیا کے ہر مرد، عورت، بچے اور بوڑھے کے حصے میں آ جائے گا۔ اس قیامت کبریٰ کے کچھ آثار ابھی سے نمودار ہونے لگے ہیں۔ بلکہ درحقیقت ویت نام سے تیسری جنگ عظیم شروع ہو چکی ہے اور مختلف ملکوں میں یہ آگ، دھیمی دھیمی سلگ رہی ہے۔ اور عین ممکن ہے کہ کسی روز اچانک شعلہ جوالہ بن کر دنیا کو بھسم کر دے۔ یہ سلگتی ہوئی آگ اب افغانستان میں پہنچ گئی ہے۔ اس

افغانستان میں جو بقول علامہ اقبال، آسیا یا ایشیا کا دل ہے ؎

آسیا یک پیکرِ آب و گل است

ملتِ افغاں در آں پیکر دل است

از فسادِ اُو فسادِ آسیا

در گشادِ اُو گشادِ آسیا

آج افغانستان کا فساد پوری دنیا کے لیے فساد کا باعث ہو سکتا ہے۔ افغانستان کے کوہ و دمن میں جو لڑائی اس وقت ہو رہی ہے اور اس لڑائی میں افغانی مجاہدین کے ساتھ افغانی ملا شانہ بہ شانہ لڑ رہا ہے۔ وہی ملا جس کی غیرتِ دین کو اقبال نے سراہا ہے وہ کسی معمولی درجے کی لڑائی نہیں یہاں "لا" اور "الا" برسرِ پیکار ہیں۔ یہ در اصل دورِ حاضر کی جنگ بدر ہے جس میں مسلمانوں کی فتح و شکست پر، صرف افغانستان کی قسمت کا نہیں پورے عالمِ اسلام کی قسمت کا بھی فیصلہ ہو گا۔

لہٰذا پورے عالمِ اسلام کو افغانستان کی صورت حال کا تجزیہ کر کے عالمِ اسلام کے لیے حکمت عملی وضع کرنی چاہیے تاکہ اقبال کا افغان آج جس آزمائش اور ابتلا سے گزر رہا ہے اس سے اسے نکالا جا سکے۔ اور وہ پھر آزادی، حریت اور اسلام سے بہرہ ور ہو کر عالمِ اسلام کا بازوئے شمشیر زن بن سکے۔

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved
©2002-2006

عقلِ خود بیں دگر و عقلِ جہاں بیں دگر است

بالِ بلبل دگر و بازوے شاہیں دگر است

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006